مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں اسلامی تعلیم

اشاعت گذشتہ میں بسبیل اشارات اُس مجلس کا تذکرہ کیا گیا تھا جو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں دینیات اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کو ضروریات زمانہ کے مطابق ڈھالنے کے لیے تمہیداً مقرر کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے اختصار کے ساتھ یونیورسٹی کی تعلیمی پالیسی پر نقد کرتے ہوئے یہ ظاہر کردیا تھا کہ اس میں بنیادی نقص کیا ہے، اور حقیقی اصلاح کے لیے نظام تعلیم کس ڈھنگ پر مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر بعد میں ہم نے محسوس کیا کہ محض چند اشارات سے کام نہ چلے گا جس تخیل کو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارے اکثر تعلیمی رہنماؤں کے ذہن سے ابھی بہت دور ہے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ ان کے سامنے پوری تفصیل کے ساتھ موجودہ طرز تعلیم کے اساسی نقائص پیش کیے جائیں اور انھیں بتایا جائے کہ یونیورسٹی کی تعلیم کو حقیقت میں "اسلامی" تعلیم بنانے کی صحیح صورت کیا ہے اس غرض کے لیے ہم نے ایک مفصل بیان مرتب کرکے یونیورسٹی کے رجسٹرار صاحب کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ وہ اسے "مجلس اصلاح تعلیم دینی" کے سامنے پیش کردیں۔ چونکہ یہ مسئلہ مسلمانوں کے تمام ارباب تعلیم کے لیے لائق غور و فکر ہے، اس لئے ہم اس کو شائع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ناظرین ہمارے اس بیان کو ملاحظہ فرمائیں۔ یونیورسٹی کے موجودہ نصاب دینیات پر ایک نظر ڈال لیں تاکہ ہمارے مقاصد کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیز ان سوالات کو بھی پیش نظر رکھیں، جو اس نصاب کے متعلق بعض ارکان مجلس کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔ (ایڈیٹر)۔

نصابِ دینیات مسلم یونیورسٹی بابت ۱۹۳۷ء

ہائی اسکول کے لیے

سنی دینیات۔ (۱) ابواب قدوری۔ (۲) العقیدۃ الحسنہ۔ (۳) لکچر اسلامی اخلاق۔

شیعہ دینیات۔ (۱) اخبار المعصومین۔ (۲) سورہ جمعہ۔ سورہ لقمان۔ سورۂ منافقون (ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب مع تشریح)۔

۲۔ انٹرمیڈیٹ کے لیے

سنی دینیات۔ (۱) تاریخ آغاز اسلام۔ (۲) فقہ۔ جامع صغیر۔ (۳) اخلاق۔ کتاب الحقوق و کتاب الصدق

شیعہ دینیات۔ (۱) تذکرۃ المعصومین (۲) رسالہ جعفریہ۔ (۳) باب الزکوٰۃ والخمس از جامع عباسی۔

۳۔ بی۔ اے۔ اور بی ایس سی کے لیے

سنی دینیات۔ (۱) فقہ۔ ابواب ہدایہ (نکاح۔ محرمات۔ کفو۔ ولایت۔ طلاق۔ خلع۔ مہر۔ وقف۔ ہبہ۔ وصیت۔ شفعہ) کتاب الطہارت۔ کتاب الصلوٰۃ (۲) تاریخ القرآن (۳) عقیدۃ الحسنہ (شاہ ولی اللہ صاحب مع شرح و ایضاح)

شیعہ دینیات۔ سراج المبین حصہ اول۔ سوانح عمری حضرت علی۔ عقائد شیخ صدوق۔ فقہ نکاح تجارت، میراث، طلاق، وقف، ہبہ، شفعہ، وصیت، از جامع عباسی۔

دینیات کے مخصوص امتحانات

۱۔ دینیات کا تکمیلی نصاب برائے بی۔ اے۔ (جونیر) و بی۔ اے (سینیر)۔

(۱) منیۃ المصلی طلبہ میں عبارت کو روانی کے ساتھ پڑھنے اور اسکا ترجمہ کرنے و اسکی تشریح کرنے کی اچھی استعداد ہونی چاہیے

۲۔ بی ٹی ایچ کے لیے

ابتدائی امتحان۔ (۱) القرآن و اصول التفسیر (سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران) فوز الکبیر (۲) حدیث و اصول حدیث۔ بلوغ المرام۔ نخبۃ الفکر (۳) فقہ ہدایہ جلد اول تا کتاب الحج (۴) فرائض۔ سراجیہ

آخری امتحان ۔ (۱) القرآن (سورۃ النساء تا آخر سورۃ البراءۃ) ۔ (۲) حدیث ۔ تجرید البخاری

(۳) فقہ ۔ ہدایہ ۔ (از کتاب النکاح تا آخر باستثناء نکاح الرقیق و کتاب العتاق) (۴) اصول فقہ ۔ منار

امیدوار کو مجمع عام میں خطبہ بھی دینا ہوگا اگر ممتحنین اس کی ضرورت سمجھیں ۔

۳ ۔ ایم ڈی آیچ کے لیے

(۱) القرآن (از سورۂ یونس تا آخر سورۂ احقاف) (۲) تفسیر ۔ تفسیر مظہری (سورۂ بقرہ و آل عمران) تفسیر کشاف (جز ۲۶ تا ۳۰ مع سورۂ فاتحہ) (۳) حدیث جامع ترمذی ۔ (۴) اصول حدیث ۔ مقدمہ ابن صلاح ۔ (۵) فقہ ۔ ہدایہ آخیرین ۔ (باستثناء کتاب المکاتب ۔ کتاب الولاء ۔ کتاب الماذون ۔ کتاب الجنایات ۔ کتاب المعاقل ۔ کتاب الخنثیٰ ۔ کتاب الدیات) ۔ (۶) اصول فقہ ۔ ارشاد الفحول ۔

(۷) عقائد ۔ شرح عقائد نسفی ۔ الحجۃ اللہ البالغہ (جزو اول) ۔

برائے مطالعہ ۔ تفسیر مفتی عبدہٗ مصری ۔

امیدوار کو مجمع عام میں خطبہ بھی دینا ہوگا ۔

سوالات منجانب ارکان مجلس اصلاح تعلیم دینی

مذکورۂ بالا نصاب کے متعلق مجلس کے ارکان میں سے سر محمد یعقوب ، ڈاکٹر عبدالجبار خیری اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے جدا جدا چند سوالات مرتب کئے ہیں جنہیں ہندوستان کے علمی اداروں ، سربرآوردہ علماء ، یونیورسٹی کورٹ کے ارکان اور مسلم اخبارات کے پاس بغرض حصول جوابات بھیجا گیا ہے ۔

سوالات مرتبۂ سر محمد یعقوب :۔

(۱) مسلم یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم کا موجودہ طریقہ حسب ذیل ہے ۔ کیا آپ کے خیال میں

یہ طرز تعلیم قابل اطمینان ہے ؟ ۔

۲۔ مغربی سائنس اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے سے طلبہ کے دلوں میں مذہب کی طرف سے جو شکوک اور بے اعتنائی پیدا ہو جاتی ہے، کیا مسلم یونیورسٹی کی موجودہ تعلیم دینیات ان کے رفع کرنے کے واسطے کافی ہے؟

۳۔ اگر موجودہ تعلیم دینیات کافی اور قابل اطمینان نہیں ہے تو آپ کی رائے کے مطابق اس میں کیا اور کس قسم کی تبدیلی ہونی چاہیے ؟

۴۔ مسلم یونیورسٹی اسکول میں دینیات کی تعلیم کس طرح ہونی چاہیے اور کیا مضامین اسکول کے طلبہ کو پڑھانے چاہئیں ؟

(۵) مسلم یونیورسٹی میں داخلہ کے بعد تعلیم دینیات کس زبان میں ہونی چاہیے، انگریزی میں یا اردو میں؟

(۶) کیا آپ کچھ کتابوں کے نام بتا سکتے ہیں جو مسلم یونیورسٹی میں نصاب تعلیم دینیات میں داخل کیجا سکیں؟

(۷) اگر انگریزی میں دینیات کی تعلیم دینا آپ کی رائے میں مناسب ہو تو اس کے نصاب کے واسطے کتابوں کے مہیا کرنے کے واسطے آپ کی کیا رائے ہے ؟

(۸) کیا آپ کی رائے میں یہ مفید ہوگا کہ علاوہ کتابی تعلیم کے مسلم یونیورسٹی میں اہم مسائل پر جید علماء کے لکچر ہوا کریں؟ کیا آپ کچھ ایسے اشخاص کے نام بتا سکتے ہیں جو اس قسم کے لکچر دے سکیں ؟

(۹) سنی اور شیعہ طلبہ کی تعلیم کہاں تک علحدہ علحدہ دیجائے اور کس حد پر پہنچنے کے بعد طلبہ کی دینیات کی تعلیم مشترک ہو جائے؟

(۱۰) مسلم یونیورسٹی میں اس وقت دینیات میں ایک ڈگری دیجاتی ہے جس کا نام بی ٹی ایچ ہے۔ اس کا کورس حسب ذیل ہے۔ کیا آپ کی رائے میں اس ڈگری کا قائم رکھنا یونیورسٹی کے واسطے مفید اور ضروری ہے؟ اور اگر ہے تو اس کا موجودہ نصاب تعلیم مناسب ہے یا تبدیلی کی ضرورت ہے؟ اگر تبدیلی کی ضرورت ہے تو کس قسم کی ؟

سوالات مرتبہ ڈاکٹر عبدالجبار خیری :۔

(۱) اسلامک اسپرٹ (Islamic Spirit) سے کوئی محدود (Definite) مراد ہے جس کی جامعہ میں ضرورت ہے؟ مفہوم معین کیا جائے۔

(۲) اسلام کیا ہے؟ اسلام کا کیا مقصد ہے؟ اسلام کا مقصد کس طرح سے حاصل ہو سکتا ہے؟

سوالات مرتبہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی:۔

۱۔ طلبہ کے عقائد پر اصل حملہ مغربی علوم اور مغربی فنون کا ہوتا ہے اور اصلی ضرورت انہی حملوں سے ان کے عقائد اسلامی کے تحفظ کی ہے۔ نصاب تعلیم کو براہ کرم اس نقطۂ نظر سے جانچیے اور ارشاد فرمایئے کہ جناب کے خیال میں اس خاص مقصد کے لیے نصاب میں کیا کیا ترمیمات مناسب ہوں گی؟

بیان منجانب ایڈیٹر ترجمان القرآن

مسلم یونیورسٹی کورٹ اس امر پر تمام مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے ادارہ کے بنیادی مقصد یعنی مسلمان طلبہ میں حقیقی اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کی طرف توجہ کی، اور اس کو روبعمل لانے کے لئے آپ کی مجلس کا تقرر کیا۔ اس سلسلہ میں جو کاغذات یونیورسٹی کے دفتر سے بھیجے گئے ہیں، اُن کو میں نے پورے غور و خوض کے ساتھ دیکھا۔ جہاں تک دینیات اور علوم اسلامیہ کے موجودہ طریق تعلیم کا تعلق ہے، اس کے ناقابل اطمینان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جو نصاب اس وقت پڑھایا جارہا ہے وہ یقیناً ناقص ہے لیکن مجلس کے معزز ارکان کی جانب سے جو سوالات مرتب کیے گئے ہیں، ان کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس کے پیش نظر صرف ترمیم نصاب کا سوال ہے، اور غالباً یہ سمجھا جارہا ہے کہ چند کتابوں کو خارج کرکے چند دوسری کتابیں رکھ دینے سے طلبہ میں "اسلامی اسپرٹ" پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے تو میں کہوں گا کہ یہ اصلی صورت حال کا بہت ہی نامکمل اندازہ ہے۔

دراصل ہم کو اس سے زیادہ گہرائی میں جا کر یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن، حدیث، فقہ، اور عقائد کی اس تعلیم کے باوجود، جو اس وقت دی جاری ہے، طلبہ میں "حقیقی اسلامی اسپرٹ" پیدا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اگر محض موجودہ نصاب دینیات کا نقص ہی اس کی وجہ ہے تو اس نقص کو دور کر دینا بلاشبہہ اس خرابی کو رفع کر دینے کے لیے کافی ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کے اسباب زیادہ وسیع ہیں، اگر آپ کی پوری تعلیمی پالیسی میں کوئی اساسی خرابی موجود ہے، تو اصلاح حال کے لیے محض نصاب دینیات کی ترمیم ہرگز کافی نہ ہوگی۔ اس کے لیے آپ کو اصلاحات کا دائرہ زیادہ وسیع کرنا ہوگا، خواہ وہ کتنا ہی محنت طلب اور مشکلات سے لبریز ہو۔ میں نے اس مسئلہ پر اسی نقطۂ نظر سے غور کیا ہے، اور جن نتائج پر میں پہنچا ہوں انھیں امکانی اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

میرا یہ بیان تین حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصہ میں یونیورسٹی کی موجودہ تعلیمی پالیسی پر تنقیدی نظر ڈال کر اس کی اساسی خرابیوں کو واضح کیا جائیگا اور یہ بتایا جائیگا کہ مسلمان قوم کے حقیقی مفاد کے لیے اب ہماری تعلیمی پالیسی کیا ہونی چاہیے۔ دوسرے حصے میں اصلاحی تجاویز پیش کی جائیں گی۔ اور تیسرے حصہ میں ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر سے بحث کی جائے گی۔

(۱)

اس وقت مسلم یونیورسٹی میں جو طریق تعلیم رائج ہے وہ تعلیم جدید اور اسلامی تعلیم کی ایک ایسی آمیزش پر مشتمل ہے جس میں کوئی امتزاج اور کوئی ہم آہنگی نہیں۔ دو بالکل متضاد اور بے جوڑ تعلیمی عنصروں کو جوں کا توں لے کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا اور ان میں یہ صلاحیت پیدا نہیں کی گئی کہ ایک مرکب علمی قوت بن کر کسی ایک کلچر کی خدمت کر سکیں۔ یکجائی و اجتماع کے باوجود یہ دونوں عنصر نہ صرف ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں، بلکہ ایک دوسرے کی مزاحمت کر کے طلبہ کے ذہن کو دو مخالف سمتوں کی طرف کھینچتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر، خالص تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو

یہ کہنا پڑے گا کہ تعلیم میں اس قسم کے متباین او متزاحم عناصر کی آمیزش اصلاً غلط ہے، اور اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ آمیزش اور بھی زیادہ قباحت کا سبب بن گئی ہے، کیونکہ اوّل تو خود آمیزش ہی درست نہیں، پھر اس پر مزید خرابی یہ ہے کہ یہ آمیزش بھی مساویانہ نہیں ہے۔ اس میں مغربی عنصر بہت طاقتور ہے اور اسلامی عنصر اس کے مقابلہ میں نہایت کمزور ہے۔ مغربی عنصر کو پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہے کہ وہ ایک عصری عنصر ہے جس کی پشت پر رفتارِ زمانہ کی قوت اور ایک عالمگیر حکمران تمدن کی طاقت ہے۔ اس کے بعد وہ ہماری یونیورسٹی کی تعلیم میں ٹھیک اسی شان اور اسی طاقت کے ساتھ شریک کیا گیا ہے جس کے ساتھ وہ ان یونیورسٹیوں میں ہے اور ہونا چاہیے جو مغربی کلچر کی خدمت کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ یہاں مغربی علوم و فنون کی تعلیم اس طور پر دی جاتی ہے کہ ان کے تمام اصول اور نظریات مسلمان لڑکوں کی صاف اور سادہ لوحِ دل پر ایمان بن کر ثبت ہو جاتے ہیں، اور ان کی ذہنیت کلیۃً مغربی سانچے میں ڈھل جاتی ہے، حتّٰی کہ وہ مغربی نظر سے دیکھنے اور مغربی دماغ سے سوچنے لگتے ہیں، اور یہ اعتقاد ان پر مسلط ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اگر کوئی چیز معقول اور باوقعت ہے تو وہی ہے جو مغربی علم و حکمت کے اصول و مبادی سے مطابقت رکھتی ہو۔ پھر ان تاثرات کو مزید تقویت اُس تربیت سے پہنچتی ہے جو ہماری یونیورسٹی میں عملاً دی جا رہی ہے۔ لباس، معاشرت، آداب و اطوار، رفتار و گفتار، کھیل کود، غرض کونسی چیز ہے جس پر مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی رجحانات کا غلبہ نہیں ہے۔ یونیورسٹی کا ماحول اگر پورا نہیں تو ۹۰ فی صدی یقیناً مغربی ہے اور ایسے ماحول کے جو اثرات ہو سکتے ہیں اور ہوا کرتے ہیں ان کو ہر صاحب نظر خود سمجھ سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی عنصر نہایت کمزور ہے۔ اول تو وہ اپنی تمدنی و سیاسی طاقت کھو کر ویسے ہی کمزور ہو چکا ہے۔ پھر ہماری یونیورسٹی میں اس کی تعلیم جس نصاب کے ذریعہ

سے دی جاتی ہے وہ زمانے سے صدیوں پیچھے رہ گیا ہے۔ اس کی زبان اور ترتیب و تدوین ایسی نہیں جو عصری دماغوں کو اپیل کرسکے۔ اس میں اسلام کے ابدی اصولوں کو جن حالات اور جن علمی مسائل پر منطبق کیا گیا ہے ان میں سے اکثر اب درپیش نہیں ہیں، اور جو اب درپیش ہیں ان پر ان اصولوں کو منطبق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ مزید براں اس تعلیم کی پشت پر کوئی تربیت کوئی زندہ ماحول، کوئی عملی برتاؤ اور چلن بھی نہیں۔ اس طرح مغربی تعلیم کے ساتھ اسلامی تعلیم کی آمیزش اور بھی زیادہ بے اثر ہو جاتی ہے۔ ایسی نامساوی آمیزش کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کے دل و دماغ پر مغربی عنصر پوری طرح غالب آجائے اور اسلامی عنصر محض ایک سامان مضحکہ بننے کے لیے رہ جائے یا زیادہ سے زیادہ اس لیے کہ زمانہ ماضی کے آثار باقیہ کی طرح اس کا احترام کیا جائے۔

میں اپنی صاف گوئی پر معافی کا خواستگار ہوں مگر جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کو بے کم و کاست بیان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میری نظر میں مسلم یونیورسٹی کی دینی و دنیوی تعلیم بحیثیت مجموعی بالکل ایسی ہے کہ آپ ایک شخص کو از سرتا پا غیر مسلم بناتے ہیں، پھر اس کی بغل میں دینیات کی چند کتابوں کا ایک بستہ دیدیتے ہیں، تاکہ آپ پر اسے غیر مسلم بنانے کا الزام عائد نہ ہو، اور اگر وہ اس بستہ کو اٹھا کر پھینک دے (جس کی وجہ دراصل آپ ہی کی تعلیم ہوگی) تو وہ خود ہی اس فعل کے لیے قابل الزام قرار پائے۔ اس طرز تعلیم سے اگر آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان پیدا کرے گا تو یوں سمجھنا چاہیے کہ آپ معجزے اور خرق عادت کے متوقع ہیں، کیونکہ آپ نے جو اسباب مہیا کیے ہیں ان سے قانون طبیعی کے تحت تو یہ نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتا۔ فی صدی ایک یا دو چار طالب علموں کا مسلمان (کامل اعتقادی و عملی مسلمان) رہ جانا کوئی حجت نہیں ہے۔ یہ آپ کی یونیورسٹی کے فیضان تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس امر کا ثبوت ہے کہ جو اس فیضان سے اپنے ایمان و اسلام کو بچالے گیا وہ دراصل فطرت ابراہیمی پر پیدا ہوا تھا۔ ایسے مستثنیات جس طرح علیگڈھ کے فارغ التحصیل

اصحاب میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح ہندوستان کی سرکاری یونیورسٹیوں، بلکہ یورپ کی یونیورسٹیوں کے متخرجین میں بھی مل سکتے ہیں جن کے نصاب میں سرے سے کوئی اسلامی عنصر ہے ہی نہیں۔

اب اگر آپ ان حالات اور اس طرز تعلیم کو بعینہٖ باقی رکھیں اور محض دینیات کے موجودہ نصاب کو بدل کر زیادہ طاقتور نصاب شریک کردیں تو اس کا ماحصل صرف یہ ہوگا کہ فرنگیت اور اسلامیت کی کشمکش زیادہ شدید ہو جائے گی۔ ہر طالب علم کا دماغ ایک رزمگاہ بن جائے گا جس میں یہ دو طاقتیں پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گی، اور بالآخر آپ کے طلبہ تین مختلف گروہوں میں بٹ جائیں گے۔

ایک وہ جن پر فرنگیت غالب رہے گی، عام اس سے کہ وہ انگریزیت کے رنگ میں ہوں، یا ہندی وطن پرستی کے رنگ میں یا ملحدانہ اشتراکیت کے رنگ میں۔

دوسرے وہ جن پر اسلامیت غالب رہے گی، خواہ اس کا رنگ گہرا ہو یا فرنگیت کے اثر سے پھیکا پڑ جائے۔

تیسرے وہ جو نہ پورے مسلمان ہوں گے نہ پورے فرنگی۔

ظاہر ہے کہ تعلیم کا یہ نتیجہ بھی کوئی خوشگوار نتیجہ نہیں۔ نہ خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے اس اجتماع نقیضین کو مفید کہا جاسکتا ہے، اور نہ قومی نقطۂ نظر سے ایسی یونیورسٹی اپنے وجود کو حق بجانب ثابت کرسکتی ہے جس کے نتائج کا ⅔ حصہ قومی مفاد کے خلاف اور قومی تہذیب کے لیے نقصان کامل کا مترادف ہو کم از کم مسلمانوں کی سی غریب قوم کے لیے تو یہ سودا بہت ہی مہنگا ہے کہ وہ لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک ایسی ٹکسال جاری رکھے جس میں سے ۳۳ فی صدی سکّے تو مستقل طور پر کھوٹے نکلتے رہیں، اور ۳۳ فی صدی ہمارے خرچ پر تیار ہو کر غیروں کی گود میں ڈال دئے جائیں، بلکہ بالآخر خود ہمارے خلاف استعمال ہوں۔

مذکورۂ بالا بیان سے دو باتیں اچھی طرح واضح ہو جاتی ہیں :-

اولاً، تعلیم میں متضاد عناصر کی آمیزش اصولی حیثیت سے غلط ہے۔

ثانیاً، اسلامی مفاد کے لیے بھی ایسی آمیزش کسی طرح مفید نہیں، خواہ وہ اُسی قسم کی غیر مساوی آمیزش ہو جیسی اب تک رہی ہے، یا مساوی کر دی جائے، جیسا کہ اب کرنے کا خیال کیا جا رہا ہے۔

ان امور کی توضیح کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری رائے میں یونیورسٹی کی تعلیمی پالیسی اب کیا ہونی چاہیے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر یونیورسٹی کسی نہ کسی کلچر کی خادم ہوتی ہے۔ ایسی مجرد تعلیم جو ہر رنگ اور ہر صورت سے خالی ہو، نہ آج تک دنیا کی کسی درسگاہ میں دی گئی ہے، نہ آج دی جا رہی ہے۔ ہر درسگاہ کی تعلیم ایک خاص رنگ اور خاص صورت میں ہوتی ہے، اور اس رنگ وصورت کا انتخاب پورے غور وفکر کے بعد اُس مخصوص کلچر کی مناسبت سے کیا جاتا ہے جس کی خدمت وہ کرنا چاہتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کی یونیورسٹی کس کلچر کی خدمت کے لیے قائم کی گئی ہے؟ اگر وہ مغربی کلچر ہے، تو اس کو مسلم یونیورسٹی نہ کہیے، نہ اس میں دینیات کا ایک نصاب رکھ کر خواہ مخواہ طالب علموں کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کیجیے۔ اور اگر وہ اسلامی کلچر ہے تو آپ کو اپنی یونیورسٹی کی پوری ساخت بدلنی پڑے گی اور اس کی ہیئت ترکیبی کو ایسے طرز پر ڈھالنا ہوگا کہ وہ بحیثیت مجموعی اس کلچر کے مزاج اور اس کی اسپرٹ کے مناسب ہو، اور نہ صرف اس کا تحفظ کرے، بلکہ اس کو آگے بڑھانے کے لیے ایک اچھی طاقت بن جائے۔

جیسا کہ میں اوپر ثابت کر چکا ہوں کہ، موجودہ حالت میں تو آپ کی یونیورسٹی اسلامی کلچر کی نہیں بلکہ مغربی کلچر کی خادم بنی ہوی ہے۔ اس حالت میں اگر صرف اتنا تغیر کیا جائے کہ دینیات کے

موجودہ نصاب کو بدل کر زیادہ طاقتور کر دیا جائے اور تعلیم و تربیت کے باقی تمام شعبوں میں پوری مغربیت برقرار رہے تو اس سے بھی یہ درسگاہ اسلامی کلچر کی خادم نہیں بن سکتی۔ اسلام کی حقیقت پر غور کرنے سے یہ بات خود بخود آپ پر منکشف ہو جائیگی کہ دنیوی تعلیم و تربیت اور دینی تعلیم کو الگ کرنا اور ایک دوسرے سے مختلف کہ کر ان دونوں کو یکجا جمع کر دینا بالکل لاحاصل ہے۔ اسلام مسیحیت کی طرح کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کا دین دنیا سے الگ کوئی چیز ہو۔ وہ دنیا کو دنیا والوں کے لئے چھوڑ کر صرف اعتقادیات اور اخلاقیات کی حد تک اپنے دائرے کو محدود نہیں رکھتا اس لئے مسیحی دینیات کی طرح اسلام کے دینیات کو دنیویات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کا اصل مقصد انسان کو دنیا میں رہنے اور دنیا کے معاملات انجام دینے کے لئے ایک ایسے طریقہ پر تیار کرنا ہے جو اس زندگی سے لیکر آخرت کی زندگی تک سلامتی عزت اور برتری کا طریقہ ہے اس غرض کے لئے وہ اس کی نظر و فکر کو درست کرتا ہے اس کے اخلاق کو سنوارتا ہے اس کی سیرت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے، اس کے لیے حقوق و فرائض معین کرتا ہے۔ اور اس کو اجتماعی زندگی کا ایک خاص نظام وضع کر کے دیتا ہے۔ افراد کی ذہنی و عملی تربیت، سوسائٹی کی تشکیل و تنظیم اور زندگی کے تمام شعبوں کی ترتیب و تعدیل کے باب میں اس کے اصول و ضوابط سب سے الگ ہیں، انہی کی بدولت اسلامی تہذیب ایک جداگانہ تہذیب کی شکل اختیار کرتی ہے، اور مسلمان قوم کا بحیثیت ایک قوم کے زندہ رہنا انہی کی پابندی پر منحصر ہے پس جب حال یہ ہے تو "اسلامی دینیات" کی اصطلاح بے معنی ہو جاتی ہے' اگر زندگی اور اس کے معاملات سے اس کا ربط باقی نہ رہے اسلامی کلچر کے لیے وہ عالم دین بیکار ہے جو اسلام کے عقائد اور اصول سے تو واقف ہے مگر ان کو لے کر علم و عمل کے میدان میں بڑھنا اور زندگی کے دائم التغیر احوال و مسائل میں ان کو برتنا نہیں جانتا۔ اسی طرح اس کلچر کے لیے وہ عالم دنیا بھی بیکار ہے جو دل میں تو اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے مگر دماغ سے غیر اسلامی طریق پر سوچتا ہے معاملات کو غیر اسلامی نظر سے دیکھتا ہے اور زندگی کو غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتا ہے اسلامی تہذیب

کے زوال اور اسلامی نظام تمدن کی ابتری کا اصل سبب یہی ہے کہ ایک مدت سے ہماری قوم میں صرف انہی دو قسموں کے عالم پیدا ہو رہے ہیں، اور دنیوی علم و عمل سے علم دین کا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلامی کلچر پھر سے جوان ہو جائے اور زمانہ کے پیچھے چلنے کے بجائے آگے چلنے لگے، تو اس ٹوٹے ہوئے ربط کو پھر قائم کیجیے۔ مگر اس کو قائم کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ دینیات کے نصاب کو جسم تعلیمی کی گردن کا قلادہ یا کمر کا پشتارہ بنا دیا جائے۔ نہیں۔ اس کو پورے نظام تعلیم و تربیت میں اس طرح اتار دیجیے کہ وہ اس کا دوران خون، اس کی روح رواں، اس کی بینائی و سماعت، اس کا احساس و ادراک، اس کا شعور و فکر بن جائے، اور مغربی علوم و فنون کے تمام صالح اجزا کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی تہذیب کا جز بناتا چلا جائے۔ اس طرح آپ مسلمان فلسفی، مسلمان سائنس دان، مسلمان ماہرین معاشیات، مسلمان مقنن، مسلمان مدبرین، غرض تمام علوم و فنون کے مسلمان ماہر پیدا کر سکیں گے، جو زندگی کے مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کریں گے، تہذیب حاضر کے ترقی یافتہ اسباب و وسائل سے تہذیب اسلامی کی خدمت لیں گے اور اسلام کے افکار و نظریات اور قوانین حیات کو روح عصری کے لحاظ سے از سر نو مرتب کرینگے یہاں تک کہ اسلام از سر نو علم و عمل کے ہر میدان میں اسی امامت و رہنمائی کے مقام پر آجائیگا جس کے لیے وہ درحقیقت دنیا میں بھیجا گیا ہے۔

یہ ہے وہ تخیل جو مسلمانوں کی جدید تعلیمی پالیسی کا اساسی تخیل ہونا چاہیے۔ زمانہ اس مقام سے بہت آگے نکل چکا ہے جس پر سرسید ہم کو چھوڑ گئے تھے۔ اگر اب زیادہ عرصہ تک ہم اس پر قائم رہے تو بحیثیت ایک مسلم قوم کے ہمارا ترقی کرنا تو درکنار، زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔

(۲)

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اوپر جس تعلیمی پالیسی کا ہیولیٰ میں نے پیش کیا ہے اس کو

صورت کا لباس کس طرح پہنایا جاسکتا ہے۔

(۱) مسلم یونیورسٹی کے حدود میں "فرنگیت" کا کلی استیصال کردینا نہایت ضروری ہے۔ اگر ہم اپنی قومی تہذیب کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا نہیں چاہتے، تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی نئی نسلوں میں "فرنگیت" کے ان روز افزوں رجحانات کا سدباب کریں۔ یہ رجحانات دراصل غلامانہ ذہنیت اور باطنی احساس ونائت (Inferiority Complex) کی پیداوار ہیں پھر جب ان کا عملی ظہور لباس، معاشرت، آداب واطوار اور بحیثیت مجموعی پورے اجتماعی ماحول میں ہوتا ہے تو یہ ظاہر اور باطن دونوں طرف سے نفس کا احاطہ کرلیتے ہیں، اور اس میں شرف قومی کا حتی برابر احساس بھی نہیں چھوڑتے۔ ایسے حالات میں اسلامی تہذیب کا زندہ رہنا قطعی ناممکن ہے۔ کوئی تہذیب محض اپنے اصولوں اور اپنے اساسی تصورات کے مجرّد ذہنی وجود سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ عملی برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے اور اسی سے نشوونما پاتی ہے۔ اگر عملی برتاؤ مفقود ہو جائے تو تہذیب اپنی طبعی موت مرجائے گی، اور اس کا ذہنی وجود بھی برقرار نہ رہ سکے گا پس سب سے مقدم اصلاح یہ ہے کہ یونیورسٹی میں ایک زندہ اسلامی ماحول پیدا کیا جائے۔ آپ کی تربیت ایسی ہونی چاہیے جو مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اپنی قومی تہذیب پر فخر کرنا سکھائے۔ ان میں اپنی قومی خصوصیات کا احترام بلکہ عشق پیدا کرے، ان میں اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت کی روح پھونک دے، اور ان کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنے علم اور اپنی تربیت یافتہ ذہنی صلاحیتوں سے اپنے قومی تمدن کو شائستگی کے بلند مدارج کی طرف لے چلیں۔

(۲) اسلامی اسپرٹ پیدا کرنے کا انحصار بڑی حد تک معلمین کے علم وعمل پر ہے۔ جو معلم خود اس روح سے خالی ہیں، بلکہ خیال اور عمل دونوں میں اس کے مخالف ہیں ان کے زیر اثر رہ کر متعلمین میں اسلامی اسپرٹ کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ آپ محض عمارت کا نقشہ بنا سکتے ہیں، مگر اصلی معمار آپ نہیں

آپ کے تعلیمی اسٹاف کے ارکان ہیں۔ "فرنگی معماروں سے یہ امید رکھنا کہ وہ اسلامی طرز تعمیر پر عمارت بنائیں گے، کریلے کی بیل سے خوشۂ انگور کی امید رکھنا ہے" محض دینیات کے لیے چند مولوی رکھ لینا ایسی صورت میں بالکل فضول ہوگا جبکہ دوسرے تمام یا اکثر علوم کے پڑھانے والے غیر مسلم یا ایسے مسلمان ہوں جن کے خیالات غیر اسلامی ہوں، کیونکہ وہ زندگی اور اس کے مسائل اور معاملات کے متعلق طلبہ کے نظریات اور تصورات کو اسلام کے مرکز سے پھیر دیں گے، اور اس زہر کا تریاق محض دینیات کے کورس سے فراہم نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا خواہ کوئی فن ہو، فلسفہ ہو یا سائنس، یا معاشیات یا قانون، یا کوئی اور مسلم یونیورسٹی میں اس کی پروفیسری کے لیے کسی شخص کا محض ماہرِ فن ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پورا اور پکا مسلمان ہو۔ اگر مخصوص حالات میں کسی غیر مسلم ماہر فن کی خدمات حاصل کرنی پڑیں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن عام قاعدہ یہی ہونا چاہیے کہ ہماری یونیورسٹی کے پروفیسر وہ لوگ ہوں جو اپنے فن میں ماہر ہونے کے علاوہ یونیورسٹی کے اساسی مقصد یعنی اسلامی کلچر کے لیے خیالات اور اعمال دونوں کے لحاظ سے مفید ہوں۔

(۳) یونیورسٹی کی تعلیم میں عربی زبان کو بطور ایک لازمی زبان کے شریک کیا جائے یہ ہماری کلچر کی زبان ہے اسلام کے مآخذ اصلیہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن اور سنت تک بلا واسطہ دسترس حاصل نہ کریگا اسلام کی روح کو نہ پاسکے گا نہ اسلام میں بصیرت حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمیشہ مترجموں اور شارحوں کا محتاج رہے گا، اور اس طرح آفتاب کی روشنی اس کو براہ راست آفتاب سے کبھی نہ مل سکے گی، بلکہ مختلف قسم کے رنگین آئینوں کے واسطے ہی سے ملتی رہیگی۔ آج ہمارے جدید تعلیمیافتہ حضرات اسلامی مسائل میں ایسی ایسی غلطیاں کر رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی ابجد تک سے ناواقف ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن اور سنت سے استفادہ کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے۔ آگے چل کر پرا و نشل آٹانومی کے دور میں جب

ہندوستان کی مجالس مقننہ کو قانون سازی کے زیادہ وسیع اختیارات حاصل ہوں گے اور سوشل رفارم کے لیے نئے نئے قوانین بنائے جانے لگیں گے اس وقت اگر مسلمانوں کی نمائندگی ایسے لوگ کرتے رہے جو اسلام سے ناواقف ہوں اور اخلاق و معاشرت اور قانون کے مغربی تصورات پر اعتقاد رکھتے ہوں، تو جدید قانون سازی سے مسلمانوں میں سوشل ریفارم ہونے کے بجائے الٹی سوشل ڈیفارم ہوگی اور مسلمانوں کا اجتماعی نظام اپنے اصولوں سے اور زیادہ دور ہوتا چلا جائیگا۔ پس عربی زبان کے مسئلہ کو محض ایک زبان کا مسئلہ نہ سمجھیے، بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ آپ کی یونیورسٹی کے اساسی مقصد سے تعلق رکھتا ہے اور جو چیز اساسیات سے تعلق رکھتی ہو اس کے لیے سہولت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، بلکہ ہر حال میں اس کی جگہ نکالنی پڑتی ہے۔

(۴) ہائی اسکول کی تعلیم میں طلبا کو حسب ذیل مضامین کی ابتدائی معلومات حاصل ہونی چاہئیں

الف۔ عقائد۔ اس مضمون میں عقائد کی خشک کلامی تفصیلات نہونی چاہئیں۔ بلکہ ایمانیات کو ذہن نشین کرنے کے لیے نہایت لطیف انداز بیان اختیار کرنا چاہیئے جو فطری وجدان اور عقل سلیم کو اپیل کرنے والا ہو۔

طلبہ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کے ایمانیات دراصل کائنات کی بنیادی صداقتیں ہیں اور یہ صداقتیں ہماری زندگی سے ایک گہرا ربط رکھتی ہیں۔

ب۔ اسلامی اخلاق۔ اس مضمون میں مجرد اخلاقی تصورات نہ پیش کیے جائیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے ایسے واقعات لیکر جمع کیے جائیں جن سے طلبہ کو معلوم ہو کہ ایک مسلمان کے کیرکٹر کی خصوصیات کیا ہیں، اور مسلمان کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔

ج۔ احکام فقہ ۔ اس مضمون میں حقوق اللہ و حقوق العباد اور شخصی کردار کے متعلق اسلامی

قانون کے ابتدائی اور ضروری احکام بیان کیے جائیں جن سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لیے ناگزیر ہے۔ مگر اس قسم کے جزئیات اس میں نہ ہونے چاہئیں جیسے ہماری فقہ کی پرانی کتابوں میں آتے ہیں کہ مثلاً کوئیں میں چوہا گر جائے تو کتنے ڈول نکالے جائیں۔

د۔ اسلامی تاریخ — یہ مضمون صرف سیرت رسول اور دور صحابہ تک محدود رہے۔ اس کے پڑھانے کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ طلبہ اپنے مذہب اور اپنی قومیت کی اصل سے واقف ہوجائیں اور ان کے دلوں میں قومی افتخار کا جذبہ پیدا ہو۔

۲۔ عربیت — عربی زبان کا محض ابتدائی علم جو ادب سے ایک حد تک مناسبت پیدا کردے۔

۳۔ قرآن — صرف اتنی استعداد کہ لڑکے کتاب اللہ کو روانی کے ساتھ پڑھ سکیں۔ سادہ آیتوں کو کسی حد تک سمجھ سکیں، اور چند صورتیں بھی ان کو یاد ہوں۔

(۵) کالج کی تعلیم میں ایک نصاب عام ہونا چاہیے جو تمام طلبا کو پڑھایا جائے۔ اس نصاب میں حسب ذیل مضامین ہونے چاہئیں۔

الف عربیت — انٹرمیڈیٹ میں عربی ادب کی متوسط تعلیم ہو۔ بی اے میں پہنچ کر اس مضمون کی تعلیم قرآن کے ساتھ ضم کر دیا جائے۔

ب۔ قرآن۔ انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کو فہم قرآن کے لیے مستعد کیا جائے۔ اس مرحلہ میں صرف چند مقدمات ذہن نشین کرا دینے چاہئیں۔ قرآن کا محفوظ اور تاریخی حیثیت سے معتبر ترین کتاب ہونا۔ اس کا وحی الٰہی ہونا۔ تمام مذاہب کی اساسی کتابوں کے مقابلہ میں اس کی فضیلت۔ اس کی بے نظیر انقلاب انگیز تعلیم۔ اس کے اثرات نہ صرف عرب پر بلکہ تمام دنیا کے افکار اور قوانین حیات پر۔ اس کا انداز بیان

اور طرز استدلال۔

بی اے میں اصل قرآن کی تعلیم دی جائے۔ یہاں طرز تعلیم یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ خود قرآن کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں اور استاد ان کی مشکلات کو حل اور ان کے شبہات کو رفع کرتا جائے۔ اگر مفصل تفسیر اور جزئی بحثوں سے اجتناب ہو اور صرف مطالب کی توضیح پر اکتفا کیا جائے تو دو سال میں بآسانی پورا قرآن پڑھایا جا سکتا ہے۔

ج۔ تعلیمات اسلامی: اس مضمون میں طلبا کو پورے نظام اسلامی سے روشناس کرا دیا جائے۔ اسلام کن بنیادی اساسی تصورات پر قائم ہے۔ ان تصورات کی بنا پر وہ اخلاق اور سیرت کی تشکیل کس طرح کرتا ہے۔ پھر انہی کی بنا پر وہ کس طرح ایک سوسائٹی کا نظام مرتب کرتا ہے۔ پھر اس سوسائٹی کی زندگی کو وہ معاشرت، معیشت، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات میں کن اصولوں پر منظم کرتا ہے۔ اس کے اجتماعی نظام میں فرد اور جماعت کے درمیان حقوق و فرائض کی تقسیم کس ڈھنگ پر کی گئی ہے۔ حدود اللہ کیا ہیں۔ ان حدود کے اندر مسلمان کو کس حد تک فکر و عمل کی آزادی حاصل ہے اور ان حدود کے باہر قدم نکالنے سے نظام اسلامی پر کیا اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ یہ تمام امور جامعیت کے ساتھ ایک نصاب میں لائے جائیں اور اس کو چار سال کے مدارج تعلیمی پر ایک مناسبت کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے۔

(۶) نصاب عام کے بعد علوم اسلامیہ کو تقسیم کر کے مختلف علوم و فنون کی اختصاصی تعلیم میں پھیلا دیجیے اور ہر فن میں اسی فن کی مناسبت سے اسلام کی تعلیمات کو پیوست کیجیے۔ مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں، اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں، بلکہ ایجاباً میں یہ کہوں گا

کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے، اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے دوست ہیں۔ دشمنی
دراصل علم اور اسلام میں نہیں بلکہ "مغربیت" اور اسلام میں ہے۔ اکثر علوم میں اہل مغرب اپنے
چند مخصوص اساسی تصورات، بنیادی مفروضات (Hypotheses) نقطہائے آغاز (
Starting points) اور زوایائے نظر رکھتے ہیں جو بجائے خود ثابت شدہ حقائق نہیں
ہیں بلکہ محض ان کے اپنے وجدانیات ہیں وہ حقائق کو لے کر اپنے ان وجدانیات کے سانچہ میں
ڈھالتے ہیں، اور اس سانچے کی مناسبت سے ان کو مرتب کرکے ایک مخصوص نظام بنا لیتے ہیں
اسلام کی دشمنی دراصل انہی وجدانیات سے ہے۔ وہ حقائق کا دشمن نہیں بلکہ اس وجدانی سانچے کا
دشمن ہے جس میں ان حقائق کو ڈھالا اور مرتب کیا جاتا ہے۔ وہ خود اپنا ایک مرکزی تصور،
ایک زاویہ نظر، ایک نقطۂ آغاز فکر، ایک وجدانی سانچہ رکھتا ہے جو اپنی اصل اور فطرت کے
اعتبار سے مغربی سانچے کی عین ضد واقع ہوا ہے۔ اب یہ سمجھ لیجیے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ضلالت
کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ مغربی علوم و فنون سے حقائق لیتے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ
ہی سے اس کا وجدانی سانچہ بھی لے لیتے ہیں۔ فلسفہ، سائنس، تاریخ، قانون، سیاسیات، معاشیات
اور دوسرے علمی شعبوں میں آپ خود ہی اپنے نوجوان اور خالی الذہن طلبہ کے دماغوں میں مغرب
کے اساسی تصورات بٹھاتے ہیں ان کی نظر کو مغربی زاویۂ نظر کے مطابق نصب کرتے ہیں،
مغربی مفروضات کو مسلمات بناتے ہیں، استدلال واستشہاد اور تحقیق و تفحص کے لیے صرف وہی
ایک نقطۂ آغاز ان کو دیتے ہیں جو اہل مغرب کا نقطۂ آغاز ہے اور تمام علمی حقائق اور مسائل کو
اُسی طرز پر مرتب کرکے ان کے ذہن میں اتار دیتے ہیں جس طرز پر اہل مغرب نے ان کو مرتب کیا
ہے۔ اس کے بعد صرف ایک دینیات کا شعبہ کیا کر سکتا ہے جس میں مجرد تصورات ہیں مگر حقائق
علمیہ اور مسائل حیات پر ان تصورات کا انطباق نہیں بلکہ طلبہ کے ذہن میں جملہ معلومات کی ترتیب

ان تصورات کے بالکل برعکس ہے۔ یہی گمراہی کا سرچشمہ ہے۔ اگر آپ گمراہی کا سدباب کرنا چاہتے ہیں تو اس سرچشمہ کے مصدر پر پہنچ کر اس کا رخ پھیر دیجیے، اور تمام علمی شعبوں کو وہ نقطۂ آغاز، وہ زاویۂ نظر، وہ اساسی اصول دیجیے جو قرآن نے آپ کو دیے ہیں۔ جب اس وجدانی سانچہ میں معلومات مرتب ہونگی اور اس نظر سے کائنات اور زندگی کے مسائل کو حل کیا جائیگا تب آپ کے طلبہ مسلم طلبہ بنیں گے اور آپ یہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے ان میں "اسلامی اسپرٹ" پیدا کی ورنہ ایک شعبہ میں اسلام اور باقی تمام شعبوں میں غیر اسلام رکھ دینے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ آپ کے فارغ التحصیل طلبہ فلسفہ میں غیر مسلم، سائنس میں غیر مسلم، قانون میں غیر مسلم، سیاسیات میں غیر مسلم، فلسفۂ تاریخ میں غیر مسلم، عمرانیات میں غیر مسلم ہوں گے اور ان کا اسلام محض چند اعتقادات اور چند مذہبی مراسم کی حد تک رہ جائے گا۔

(۷) بی ٹی ایچ اور ایم ٹی ایچ کے امتحانات کو بند کر دیجیے۔ نہ ان کی کوئی ضرورت نہ کوئی فائدہ۔ جہاں تک علوم اسلامیہ کے مخصوص شعبوں کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک شعبے کو اسی کے مماثل علم کے مغربی شعبہ کے انتہائی کورس میں داخل کر دیجیے۔ مثلاً فلسفہ میں حکمت اسلامیہ اور اسلامی فلسفہ کی تاریخ اور فلسفیانہ افکار کے ارتقا میں مسلمانوں کا حصہ۔ تاریخ میں تاریخ اسلام اور اسلامی فلسفۂ تاریخ۔ قانون میں اسلامی قانون کے اصول اور فقہ کے وہ ابواب جو معاملات سے متعلق ہیں۔ معاشیات میں اسلامی معاشیات کے اصول اور فقہ کے وہ حصے جو معاشی مسائل سے متعلق ہیں۔ سیاسیات میں اسلام کے نظریات سیاسی اور اسلامی سیاسیات کے نشو و ارتقا کی تاریخ اور دنیا کے سیاسی افکار کی ترقی میں اسلام کا حصہ۔

(۸) اس کورس کے بعد علوم اسلامیہ میں ریسرچ کے لیے ایک مستقل شعبہ ہونا چاہیے۔ جو مغربی یونیورسٹیوں کی طرح اعلیٰ درجہ کی علمی تحقیق پر سند فضیلت (Doclorate) دیا کرے۔ اس شعبہ میں ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو مجتہدانہ طرز تحقیق کی تربیت پا کر نہ صرف مسلمانوں

بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے دنیا کی نظری و فکری رہنمائی کے لیے مستعد ہوں ۔

(۳)

حصۂ دوم میں جس طرزِ تعلیم کا خاکہ میں نے پیش کیا ہے وہ بظاہر نا قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے، لیکن میں کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ توجہ اور محنت اور صرفِ مال سے اس کو تبدیریج عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ آپ کسی راہ میں پہلا قدم اٹھاتے ہی منزل کے آخری نشان پر نہیں پہنچ سکتے۔ کام کی ابتدا کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسکی تکمیل کا پورا سامان پہلے سے آپ کے پاس موجود ہو۔ ابھی تو آپ کو صرف عمارت کی بنیاد رکھنی ہے، اور اُس کا سامان اس وقت فراہم ہو سکتا ہے۔ موجودہ نسل میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس طرزِ تعمیر پر بنیادیں اُٹھا سکتے ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت سے جو نسل اٹھے گی وہ دیواریں اٹھانے کے قابل ہوگی، اور پھر تیسری نسل ایسی نکلیگی جس کے ہاتھوں یہ کام انشاء اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ جو درجہ کمال کم از کم تین نسلوں کی مسلسل محنت کے بعد حاصل ہو سکتا ہے، اس کو آج ہی حاصل کر لینا ممکن نہیں، اور اگر اس کے حصول کو غیر ممکن دیکھ کر آپ اس کی ابتدا ہی نہ کریں، حالانکہ ابتدا کرنے کے اسباب آپ کے پاس موجود ہیں تو یہ سراسر نادانی ہوگی۔

چونکہ میں اس اصلاحی اقدام کا مشورہ دے رہا ہوں اس لیے یہ بھی میرا ہی فرض ہے کہ اس کو عمل میں لانے کی تدابیر بھی پیش کروں۔ اپنے بیان کے اس حصہ میں، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس طرزِ تعلیم کی ابتدا کس طرح کی جا سکتی ہے اور اس کے لیے قابلِ عمل تدبیریں کیا ہیں۔

(۱) ہائی اسکول کی تعلیم کے لیے عقائد، اسلامی اخلاق اور احکامِ شریعت کا ایک جامع کورس حال ہی میں سرکارِ نظام کے محکمۂ تعلیمات نے تیار کرایا ہے۔ اس کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ بہت

کار آمد بنایا جا سکتا ہے۔

عربی زبان کی تعلیم قدیم طرز کی وجہ سے جس قدر ہولناک ہوگئی تھی، الحمدللہ کہ اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ اس کے لیے جدید طریقے مصر و شام اور خود ہندوستان میں ایسے نکل آئے ہیں جن سے بآسانی یہ زبان سکھائی جا سکتی ہے۔ ایک خاص کمیٹی ان لوگوں کی مقرر کی جائے جو عربی تعلیم کے جدید طریقوں میں علمی و عملی مہارت رکھتے ہیں اور ان کے مشورہ سے ایک ایسا کورس تجویز کیا جائے جس میں زیادہ تر قرآن ہی کو عربی کی تعلیم کا ذریعہ بنایا گیا ہو۔ اس طرح تعلیم قرآن کے لیے الگ وقت نکالنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور ابتدا ہی سے طلبہ کو قرآن کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

اسلامی تاریخ کے بکثرت رسالے اردو زبان میں لکھے جا چکے ہیں۔ ان کو جمع کر کے بنظر غور دیکھا جائے اور جو رسائل مفید پائے جائیں ان کو ابتدائی جماعتوں کے کورس میں داخل کر لیا جائے۔

مقدم الذکر دونوں مضامین کے لیے روزانہ صرف ایک گھنٹہ کافی ہوگا۔ اسلامی تاریخ کا مضمون کوئی الگ وقت نہیں چاہتا۔ تاریخ کے عمومی نصاب میں اس کو ضم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہائی اسکول کی تعلیم کے موجودہ نظم میں کوئی زیادہ تغیر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ تغیر کی ضرورت جو کچھ بھی ہے نصاب تعلیم، طرز تعلیم اور تعلیمی اشاف میں ہے۔ دینیات کی تدریس اور اس کے مدرس کا جو تصور آپ کے ذہن میں اب تک رہا ہے اس کو نکال دیجیے ۱۹۳۶ء کے لڑکے کی ذہنیت اور اُس کے نفسیات کو سمجھنے والے مدرس رکھیے ان کو ایک ترقی یافتہ نصاب تعلیم دیجیے، اور اس کے ساتھ ایسا ماحول پیدا کیجیے جس میں "اسلامیت" کے بیج کو بالیدگی نصیب ہو سکے۔

(۲) کالج کے لیے نصاب عام کی جو تجویز میں نے پیش کی ہے اس کے تین اجزا ہیں:-

(الف) عربیت۔ (ب) قرآن۔ (ج) تعلیمات اسلامی۔

ان میں سے عربیت کو آپ ثانوی لازمی زبان کی حیثیت دیجیے۔ دوسری زبانوں میں سے کسی کی تعلیم اگر طلبہ حاصل کرنا چاہیں تو ٹیوٹرس کے ذریعہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔ مگر کالج میں انگریزی زبان (یعنے ذریعۂ تعلیم کے بعد جو دوسری زبانیں بطور ثانوی زبان کے پڑھائی جاتی ہیں ان کو موقوف کرکے صرف عربی کی تعلیم دیجیے۔ اگر نصاب اچھا ہو اور پڑھانے والے آزمودہ کار ہوں تو انٹرمیڈیٹ کے دو سالوں میں طلبہ کے اندر اتنی استعداد پیدا کی جاسکتی ہے کہ وہ بی اے میں پہنچ کر قرآن کی تعلیم خود قرآن کی زبان میں حاصل کرسکیں۔

قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو وہ اپنے لکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا پھر بی۔ اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھادے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کرجائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہوجائیں گے۔

تعلیمات اسلامی کے لیے ایک جدید کتاب لکھوانے کی ضرورت ہے جو ان مقاصد پر حاوی ہو جن کی طرف میں نے حصۂ دوم کے نمبر ۵، ضمن (ج) میں اشارہ کیا ہے کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے خود ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی کے عنوان سے لکھنی شروع کی تھی جس کے ابتدائی تین باب "ترجمان القرآن" میں محرم ۵۲ھ سے شعبان ۵۳ھ تک کے پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر اس کو مفید سمجھا جائے تو میں اس کی تکمیل کرکے یونیورسٹی کے نذر کردوں گا۔

ان مضامین کے لیے کالج کی تعلیم کے موجودہ نظم میں کسی تغیر کی ضرورت پیش نہ آئے گی عربیت کے لیے وہی وقت کافی ہے جو آپ کے ہاں ثانوی زبان کے لیے ہے۔ قرآن اور تعلیمات اسلامیہ دونوں کے لیے باری باری سے وہی وقت کافی ہو سکتا ہے جو آپ کے ہاں دینیات کے لیے مقرر ہے۔

(۳) زیادہ تر مشکل اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں پیش آئے گی جسے میں نے حصۂ دوم نمبر ۲ و ۷ میں پیش کیا ہے۔ اس کے حل کی تین صورتیں ہیں جن کو بتدریج اختیار کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ ایسے پروفیسر تلاش کیے جائیں (اور وہ ناپید نہیں ہیں) جو علوم جدیدہ کے ماہر ہونے کے ساتھ قرآن اور سنت میں بھی بصیرت رکھتے ہوں جن میں اتنی اہلیت ہو کہ مغربی علوم کے حقائق کو ان کے نظریات اور ان کی وجدانی اساس سے الگ کر کے اسلامی اصول و نظریات کے مطابق مرتب کر سکیں۔

(ب) اسلامی فلسفہ، قانون، اصول قانون و فلسفۂ تشریع، سیاسیات، عمرانیات، معاشیات، تاریخ و فلسفۂ تاریخ وغیرہ کے متعلق عربی، اردو، انگریزی، جرمن اور فرنچ زبانوں میں جس قدر لٹریچر موجود ہے اس کی چھان بین کی جائے۔ جو کتابیں بعینہٖ لینے کے قابل ہوں ان کا انتخاب کر لیا جائے۔ اور جن کو اقتباس یا حذف و ترمیم کے ساتھ کارآمد بنایا جا سکتا ہو اُن کو اسی طریق پر کام میں لایا جائے۔ اس غرض کے لیے اہل علم کی ایک خاص جمعیت مقرر کرنی ہوگی۔

(ج) چند ایسے فضلاء کی خدمات حاصل کی جائیں جو مذکورہ بالا علوم پر جدید کتابیں تالیف کریں۔ خصوصیت کے ساتھ اصول فقہ، احکام فقہ، اسلامی معاشیات، اسلام کے اصول عمران، اور حکمت قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قدیم کتابیں اب درس و تدریس کے لیے کارآمد نہیں ہیں۔ ارباب اجتہاد کے لیے تو بلاشبہ ان میں بہت اچھا مواد مل سکتا ہے

مگر ان کو جوں کا توں لے کر موجودہ زمانے کے طلبہ کو پڑھانا بالکل بے سود ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سردست ان تینوں تدبیروں سے وہ مقصد بدرجہ کمال حاصل نہ ہوگا۔ جو ہمارے پیش نظر ہے۔ بلا شبہ اس تعمیر جدید میں بہت کچھ نقائص پائے جائیں گے لیکن اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ صحیح راستہ پر پہلا قدم ہوگا۔ اس میں جو کوتاہیاں رہ جائیں گی ان کو بعد کی نسلیں پورا کریں گی یہاں تک کہ اس کے تکمیلی ثمرات کم از کم پچاس برس بعد ظاہر ہوں گے۔

(۴) اسلامی ریسرچ کا شعبہ قائم کرنے کا ابھی موقع نہیں۔ اس کی نوبت چند سال بعد آئے گی اس لیے اس کے متعلق تجاویز پیش کرنا قبل از وقت ہے۔

(۵) میری تجاویز میں فرقی اختلافات کی گنجائش بہت کم ہے۔ تاہم اس باب میں علمائے شیعہ سے استصواب کر لیا جائے کہ وہ کس حد تک اس طرز تعلیم میں شیعہ طلبا کو سنی طلبہ کے ساتھ رکھنا پسند کریں گے؟ اگر وہ چاہیں تو شیعہ طلبہ کے لیے خود کوئی اسکیم مرتب کریں، مگر مناسب یہ ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے تعلیم میں فروعی اختلافات کو کم سے کم جگہ دی جائے اور مختلف فرقوں کی آیندہ نسلوں کو اسلام کے مشترک اصول و مبادی کے تحت تربیت کیا جائے۔

(۶) سر محمد یعقوب کے اس خیال سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ وقتاً فوقتاً علماء وفضلا کو اہم مسائل پر لکچر دینے کے لیے دعوت دی جاتی رہے میں تو چاہتا ہوں کہ علیگڈھ کو نہ صرف ہندوستان کا بلکہ تمام دنیائے اسلام کا دماغی مرکز بنا دیا جائے۔ آپ اکابر ہندوستان کے علاوہ مصر، شام، ایران، ٹرکی، اور یورپ کے مسلمان فضلاء کو بھی دعوت دیجیے کہ وہ یہاں آکر اپنے خیالات، تجربات اور نتائج تحقیق سے ہمارے طلبہ میں روشنی فکر اور روح حیات پیدا کریں۔ اس قسم کے خطبات کافی معاوضہ دے کر لکھوائے جانے چاہییں، تاکہ وہ کافی قیمت

محنت اور غور و فکر کے ساتھ لکھے جائیں اور ان کی اشاعت نہ صرف یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے بلکہ عام تعلیم یافتہ پبلک کے لیے بھی مفید ہو۔

(۷)۔ اسلامی تعلیم کے لیے کسی ایک زبان کو مخصوص کرنا درست نہیں۔ اردو عربی، اور انگریزی تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان میں بھی اس وقت نصاب کے لیے کافی سامان موجود نہیں ہے۔ لہٰذا سردست ان میں سے جس زبان میں بھی جو مفید چیز مل جائے اس کو اسی زبان میں پڑھانا چاہیے۔ دینیات اور علوم اسلامیہ کے معلمین سب کے سب ایسے ہونے چاہئیں جو انگریزی اور عربی دونوں زبانیں جانتے ہوں۔ علیگڈھ کے لیے کوئی ایک رخا آدمی صحیح معلم دینیات نہیں ہو سکتا۔

میں اپنے بیان کی اس طوالت پر عذرخواہ ہوں۔ مگر اتنی تطویل و تفصیل میرے لیے ناگزیر تھی، کیونکہ میں بالکل ایک نئے راستہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں جس کے نشانات کو پہچاننے میں خود مجھے غور و فکر کے کئی سال صرف کرنے پڑے ہیں۔ میں حتماً اس نتیجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مسلمانوں کے مستقل قومی وجود اور ان کی تہذیب کے زندہ رہنے کی اب کوئی صورت بجز اس کے نہیں ہے کہ ان کے طرز تعلیم و تربیت میں انقلاب پیدا کیا جائے اور وہ انقلاب ان خطوط پر ہو جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی موجود ہے، اور خود علی گڈھ میں بھی ان کی کمی نہیں، جو میرے ان خیالات کو ایک دیوانے کا خواب کہیں گے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے کوئی تعجب نہ ہوگا۔ پیچھے دیکھنے والوں نے آگے دیکھنے والوں کو اکثر دیوانہ ہی سمجھا ہے، اور ایسا سمجھنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن جو کچھ میں آج دیکھ رہا ہوں چند سال بعد شاید میری زندگی ہی میں وہ اس کو بچشم سر دیکھینگے اور ان کو اس وقت اصلاح حال کی ضرورت محسوس ہوگی جب طوفان سر پر ہوگا اور تلافی مافات کے مواقع کم تر رہ جائیں گے۔